باب-9

عالم مثال

عالم مثال میں امتداد، صورت اور شکل رہتی ہے۔ امتداد کی وجہ سے مثل مکان کے معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ مکان سے پاک ہے۔

خیال دو قسم کا ہوتا ہے: (۱) خیال متّصل یا خیال مطلق، جو ہمارا بے منشاء، بے اصل، اختراعی اور من گھڑت خیال ہے۔ (۲) خیال منفصل یا خیال مقیّد، عالم کا بامنشائے حقیقی اور صحیح خیال ہے۔ اسی کو عالم مثال یا برزخ اوّل کہتے ہیں۔

کشف یا مثال کا نظر آنا دو قسم پر ہے: (۱) صحیح، (۲) غلط

صحیح بھی دو قسم پر ہے۔ (الف) حقیقی صورتیں۔ جیسے، رویائے صادقہ میں کہ واقعہ من وعن نظر آجاتا ہے۔ (ب) مجازی صورتیں۔

مجازی صورتیں بھی دو طرح ہیں۔ (اول) نفس کی طرف سے بلا زیادت و نقصان۔ (دوم) نفس کی طرف سے بہ زیادت و نقصان۔

جو کشف و خواب مجازی صور میں دکھائی دیتا ہے وہ تعبیر طلب ہوتا ہے۔ تعبیر دینے والے، معنٰی بیان کرنے والے کو، دیکھنے والے کے حالات و محاورات وغیرہ سے واقف ہونا ضروری ہے۔

غلط خواب یا کشف، اضغاث احلام، من گھڑت واہی تباہی خیالات ہوتے ہیں۔ یہ یاد رکھو کہ نفس جس قدر مہذب، بے خواہش اور ساکن ہو گا اس کا کشف یا خواب اسی قدر صحیح اور درست ہو گا۔

عالم مثال میں صورتیں، ارواح اور اس کے اوپر کے مراتب سے بھی آتی ہیں۔ اور عالم شہادت اور اس کے نیچے کے مراتب سے بھی آتی ہیں۔

بعض دفعہ خیال یا مثال قوی ہو کر شہادت میں بھی محسوس ہو جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ دوسروں کو بھی نظر آ جاتا ہے۔

جمع ہمت، دفع خطرات، ایک نقطے پر خیال کا قائم رکھنا، ارواح کی طرف توجہ، مناسب اسماء الٰہیہ کی مدد یعنی کثرتِ ورد، لوازم جسم شہادی یعنی اکلِ شرب وغیرہ کا ترک کرنا، روشنی سے بچنا، طرق حواس کا بند ہونا، عالم مثال کے کھلنے میں معین ہوتے ہیں۔

عالم شہادت میں (جو تحت زمانہ ہے، غیر قارن ہے، یعنی زمانے کے اجزاء ایک دوسرے سے نہیں ملتے) صرف حال نظر آتا ہے۔ نہ ماضی، نہ مستقبل۔ حالاں کہ ہر شخص کو کچھ نہ کچھ تجربہ ہے کہ خوابوں سے یا مرتاض لوگوں کو عالم مثال میں ماضی و مستقبل کی بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں یا نظر آ جاتی ہیں۔ لہٰذا عالم مثال تحتِ زمان نہیں، تحتِ دہر ہوتا ہے۔

یہ خوب یاد رکھو کہ عالم علوی کی کوئی شے مثال میں مرئی نمودار ہو اور نظر آ جائے تو اس سے اس کے تجرد و بے صورتی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دیکھو! حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو خواب میں دودھ کی صورت میں دیکھا۔ اس سے علم کے بذاتہٖ بے صورت ہونے پر کیا اثر پڑا۔ جبرئیل علیہ السلام اکثر وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ اور کبھی اعرابی کی صورت میں آتے تھے تو اس سے ان کا جسم ہونا لازم نہیں آتا۔

ایک شے بعض مناسبات کی وجہ سے مختلف صورت میں نظر آتی ہے۔ اس کو ایک صورت میں مقید سمجھنے سے علمی ترقی مسدود ہو جاتی ہے، اور دوسرے سے انکار پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو دودھ کی شکل میں ملاحظہ فرمانے سے کیا مسلمانوں نے علم کو دودھ کی صورت میں منحصر کر دیا؟ دودھ کی پوجا شروع کر دی؟ ہر گز نہیں۔

ہمارے ہندو بھائیوں کے رشیوں، اہل کشف نے علم کو اس کی عظمت و قوت کی شکل یعنی ہاتھی کی صورت میں دیکھا، تو اب تک گوبر یا مٹی کی مورت بنا کر گنیش یا گنپتی کے نام سے اس کی پوجا کی جا رہی ہے۔ یہ مٹی کی مورت تم جیسا بناؤ بن رہی ہے۔ گویا وہ تم کو سجدہ کر رہی ہے۔

کیوں کہ علم و قدرت کی تجلی تم میں سے ہو رہی ہے۔ سچ پوچھو تو تم گنپتی ہو، نہ کہ وہ مورتی۔ ہمارے ہندو بھائی اپنے بزرگوں کے کشف مثالی کے سمجھنے اور مجاز سے حقیقت کی طرف پہنچنے کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے دائمی بُت ہرستی بَلا بن کر ان کے گلے پڑ گئی ہے۔ میں ہمیشہ ہنود کی بنائی ہوئی دیوتاؤں کی تصویریں دیکھتا ہوں اور ان سے حقیقت کی طرف راہ نکال لیتا ہوں، کہ اس مثال اور تشبیہ کے آخر معنٰی کیا ہیں۔ یاد رکھو کہ ہر مجاز کی ایک حقیقت ہے۔ حقیقت کی طرف توجہ کرنا ہی حق ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

میں نے ایک تصویر میں غضب کی مثال دیکھی۔ ایک سیاہ رنگ عورت ہے۔ اس کی سرخ زبان باہر نکلی ہوئی ہے۔ آدمیوں کے سروں کا ہار گردن میں پڑا ہے۔ ہاتھوں کی جھالر کمر سے بندھی ہے۔ سیدھے ہاتھ میں شمشیر برہنہ ہے۔ بائیں ہاتھ میں کسی ظالم کا سر ہے۔ پوچھا تو معلوم ہوا، یہ کالی دیوی ہے۔ اہل بنگالہ کی معبود ہے۔

ایک دوسری تصویر میں بھی غضب کی مثال دیکھی۔ ایک بہت بڑی انسانی شکل ہے۔ اس کے منہ سے آگ نکل رہی ہے۔ اس قدر بڑی اور زبردست شکل ہے کہ اگر کسی پر اپنا پاؤں رکھ دے تو پامال کر دے۔ پھونک مار دے تو خاکِ سیاہ کر دے۔ یہ بھی ایک دیوتا ہے۔

ایک اور تصویر میں غضب ہی کی مثال دیکھی کہ انسانی شکل ہے، جس کا سر شیر کا ہے۔ پنجے شیر کے ہیں۔ ایک ظالم کو گرا کر اس کا پیٹ پھاڑ رہی ہے۔ یہ بھی ہنود کا ایک دیوتا ہے۔

دیکھو! یہ تینوں غضب ہی کی شکلیں ہیں مگر مہا کالی کا ماننے والا، شنکر کو نہیں مانتا۔ نہ وہ شیر کا سر مانتا ہے۔ (نرسینھ)۔

جاپان میں زلزلہ آیا۔ کوہ آتش فشاں پھٹا۔ یہ قہر خدا کی صورت نہیں تو کیا ہے؟ موسیٰ ندی میں طوفان آیا۔ ہزارہا آدمی مرے۔ ہزارہا گھر تباہ ہوئے۔ طاعون نے حیدر آباد کو اپنا شکار گاہ بنایا ہے۔ یہ سب خدا کے غضب کی صورتیں ہیں۔ مَّا يَفْعَلُ اللَّـهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ (النساء:۱۴۷)۔

ایک دفعہ ایک ہندو دوست سے میری گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس ایک اوتار طوطا بھی ہے۔ میں نے پوچھا کہ آخر اس سے ان کی کیا مراد ہے، تو انھوں نے کہا کہ اس کی کچھ تصریح نہیں۔ میں نے کہا، طوطے کا قاعدہ ہے، انچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم۔

خدائے تعالیٰ پیغمبروں کو جو وحی فرماتا ہے، اولیاء کو جو الہام فرماتا ہے، اس کو وہ جوں کا توں فرمادیتے ہیں۔ اس میں وہ حضرات کچھ کمی زیادتی نہیں کرتے۔ یہی تو معنٰی ہیں طوطے کے۔

ہندوؤں کے کسی رکشی یا اوتار نے یہ سمجھنا چاہا کہ کب سے سلسلۂ موجودات چلا ہے؟ اور وجود جو سب کا اصل اور بیخ ہے، کب سے ہے اور کب تک رہے گا؟ تو ان کو ایک لِنگ یعنی ذَکر نظر آیا۔ جانبِ ماضی دوڑے اور ابتداء نہ ملی۔ جانبِ مستقبل دوڑے، انتہا نہ ملی۔ ظاہر ہے کہ انسان کی تولید کا اصل بہ ظاہر ذَکر ہے۔ لہٰذا مبدائے عالم اور وجود ان کو صورتِ ذَکر میں نظر آیا۔ اب اس کے تابعین نے ایک ذَکر کی صورت بنا کر گلے میں ڈال لی، کہ نعوذ باللہ ذَکر ان کا خدا ہے۔ یہ قوم لِنگایت کہلاتی ہے۔

اس بھولے پن کی کچھ انتہا بھی ہے! یہ لوگ تشبیہ سے ایک قدم حقیقت کی طرف چلنا نہیں چاہتے۔

ذرا غور فرمایئے! بزرگی کی صورت و تشبیہ ہاتھی ہے۔ مکاری کی صورت لومڑی، بدکاری کی صورتِ تشبیہ خنزیر، بدگوئی کی مثال کتا، چور کا مماثل کوّا ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔ اچھی صفت کی بھی ایک تشبیہ ہے اور بُری صفت کی بھی ایک تشبیہ۔ آدمی کی جیسی صفت ہوتی ہے اسی کی مناسب شکل میں وہ شخص عالم مثال میں نظر آتا ہے۔

انسان مختلف حالات کے لحاظ سے فضائل و رذائل میں ترقی و تنزل کرتا رہتا ہے۔ جیسی صفت ہوتی ہے اسی کی مناسب صورت میں عالم مثال میں نظر آتا ہے۔

آخر میں جب آدمی میں آدمیت آتی ہے، صفاتِ حمیدہ سے موصوف ہوتا ہے، اس میں حاکمانہ شان پیدا ہوتی ہے تب جا کے کہیں اس کو انسان کی صورت ملتی ہے۔

کدھر عالم مثال میں گوناں گوں صورتوں میں ترقی و تنزل کرنا، کدھر عالم شہادت میں تناسخ، جنم بدلنا، کایا پلٹنا۔ ہر طبیعت و آثارِ خاص کے لیے ایک روح متعلق ہوتی ہے۔ نئ روحوں کی کمی کیا ہے کہ پرانی روح متعلق ہوگی۔ روح کے جسد سے متعلق روح ہونے سے پہلے کی ایک بات بھی یاد نہیں۔ آخر ایسی سزا و جزا سے کیا حاصل۔ نہ جرم معلوم نہ اس کی سزا۔ بڑی بڑی ریاضتوں کا کیا ثمرہ ملا۔ امیر ہوگئے۔ بادشاہ بن بیٹھے جو فقیروں کے قدم لیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ راحت کے معنٰی، آرام کا معیار بھی کچھ جانتے ہیں۔ جو فقیر اپنے مولٰی سے خوش ہے، مالک کے قرب سے سرفراز ہے، محبت و قرب، فنا و بقا کی لذت اٹھاتا ہے، بھلا اس کے سامنے ہفت اقلیم کی شاہنشاہی پر پشّہ سے زیادہ کچھ بھی وقعت رکھتی ہے؟ کچھ بھی نہیں۔

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں   حسرتؔ

خدائے تعالٰی کا ذکر، اس کی یاد میں مستغرق رہنے، اس سے محبت رکھنے کا بدلہ، خدا ہونا چاہیے۔ نہ کہ چند خرافاتِ دنیا۔ کسی بادشاہ یا کروڑپتی کو حقیقتاً خرم و شاداں بھی کسی نے دیکھا ہے! کسی نے ان کو خوشی خوشی مرتے بھی دیکھا ہے! سکندر اعظم، محمود غزنوی کی حالت سے کون واقف نہیں؟ دیکھو! خدا کے دوست، اس کے عاشق، موت کو الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب سمجھتے ہیں۔ عاشق مرتے ہوئے یہ نعرے لگاتا ہے۔

بہ امید دید میں نے کیا موت کو گوارا
مری جان مفت کب تھی کہ جو یوں نثار ہوتا   حسرتؔ

اللہ اکبر! کیا ظلم ہے! یادِ خدا، ذکر الٰہی کو کیا سستا بیچ ڈالا! وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ (یوسف:۲۰)، یاد خدا کی قیمت چند خرمہرہ ہائے دنیائے فانی۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ہائے! کیا ستم ہے! حقیقت سے بے خبری! ایک مثالی صورت کو پکڑ لیا اور دوسری مثالی صورت سامنے آئی تو انکار!

ایک محمدی جس کے سامنے ہزاروں مثالیں نمایاں ہوتی ہیں، مثال سے ممثل لہٗ کی طرف نکل آتا ہے۔ گوناگوں تشبیہیں دیکھتا ہے اور حقیقت کو کسی تشبیہ میں محدود نہیں کرتا۔ لباس سے اس کو غرض نہیں۔ لباس والا اس کا نورِ نظر، راحتِ دل ہے۔ ایک صورت دیکھتا ہے اور دوسری صورت دیکھنے کے لیے تیار۔ نہ اس کے تجلیات کی انتہا، نہ اس کی طلب کا اختتام۔ اگر عاشق کی طلب ختم ہو جائے یا کسی ایک بہتر حالت پر قناعت کر جائے تو تجلیات الٰہی بھی ختم ہو جائیں۔ نہ تجلّی منتہی ہے، نہ متجلّی کو بس کرنا چاہیے۔ تُو وراء الوراء ہے تو میری طلب بھی وراء الوراء ہے۔ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۴)۔ وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (یوسف: ۱۰۱ اور الشعراء: ۸۳)۔

مسیحا تماشا دکھائے چلا جا
میں مرتا ہوں تُو جِلائے چلا جا

میرے بھولے برہمن بھائیو! کیا تم نے بندگانِ خدا کو اپنے ہم سر ہو جانے کی غیرت سے اصل حقیقت نہیں بتلائی۔ یا خود برقعہ کے نقش و نگار پر فریفتہ ہو کر جلوۂ رخسارِ یار کے دیدار سے محروم رہ گئے؟

ہائے بت پرستی! افسوس بت پرستی! مٹی، پتھر، آگ، پانی، پیپل، تُلسی، کواکب، گائے، سانپ اور دنیا بھر کی چیزوں کی تعظیم کی جاتی ہے۔ حالاں کہ خود انسان میں عملی تجلّی ہے۔ حکومت کی تجلّی ہے۔ کون سی تجلّی ہے جو اس میں نہیں ہے!

کون سی شے ہے نہیں جو مجھ میں
ایک طلسمات کا پتلا ہوں میں حسرتؔ

خلیفۃ اللہ کی تذلیل میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ کب تک آفاق؟ کبھی وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات: ۲۱) بھی تو ہو۔

کیا ملک میری حقیقت کو سمجھتے علویؔ
ان کا استاد نہ سمجھا وہ معمّا ہوں میں

واضح ہو کہ انسان کو انسانِ صغیر اور تمام عالم کو انسانِ کبیر کہتے ہیں۔ جیسے انسان کا ایک خیال ہوتا ہے، انسانِ کبیر یعنی عالم کا بھی ایک خیال ہے۔ اسی کو عالم مثال کہتے ہیں۔ انسان جو کچھ کرتا ہے پہلے اس کو خیال کرتا ہے۔

اسی طرح عالم شہادت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ عالم کے خیال یعنی عالم مثال سے آ رہا ہے۔ خیالِ انسانی کو عالم مثال سے ایک ربط اور تعلق ہے۔ گویا کہ خیال سے ایک روشن دان عالم مثال میں کھلتا ہے جس سے انسان، عالم مثال میں جو کچھ ہے، خواہ ماضی ہو یا مستقبل، ملاحظہ و مطالعہ کرتا ہے۔

تجربہ ہے کہ قوی التعقل پر معارف، قوی المحبت پر بے خودی اور قوی التخیل پر کشفِ مثالی بہ سہولت و بہ کمال ہوتا ہے۔

بعض دفعہ مجردات یا جنات، مثالی شکل لے کر عالم شہادت میں نظر آ جاتے ہیں۔ کبھی خود انسان، زورِ خیال سے نہ صرف لطیف ہی ہو جاتا ہے بلکہ متعدد جگہ مجسم ہو کر محسوس ہو جاتا ہے۔

یہ بات خوب یاد رکھو کہ ہر دل کی بات کو ضروری نہیں کہ وہ خیال پر متجسم بھی ہو جائے۔ اسی طرح ہر چیز جو عالم ملکوت میں ہے ضروری نہیں کہ مثال میں بھی آ جائے، یا جو چیز مثال میں ہے ضروری نہیں کہ اجسام و شہادت سے ملکوت میں بھی آ جائے۔ اس سے عالم اجسام سے عالم مثال کا وسیع تر ہونا، مثال سے ملکوت کا، اس سے علم الٰہی کا اور اس سے ذاتِ الٰہی کا محیط تر ہونا، ثابت ہوتا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ رکھو کہ جس طرح اجسام کثافت میں مختلف درجات پر ہیں اسی طرح عالم مثال میں لطافت بھی مختلف درجات پر ہے۔

اکثر سفلی اعمال والوں کو ادنیٰ درجے کے ارواح سے جو أَسْفَلَ سَافِلِينَ میں ہیں مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ان کو نظر آنے لگتے ہیں۔ مثلاً شیخ صدو، نرسو وغیرہ۔ بہت اشخاص ریاض کرتے ہیں

اور کیا دیکھا؟ اسی دنیا کے بعض دُور دراز مقامات، یا اپنے مناسب حال عالم مثال، یا خود اپنے نفس کے بعض عجائب۔ کوہ کندن و موش بر آوردن کمالِ ایمان، کہاں ہے؟ دل کا اطمینان، کدھر ہے؟ رضا بالقضاءِ عبدیت، معارف الٰہیہ، انکشافِ اسرار حکمت، کن کن حضرات کا مقصود دلی ہے؟ ما سوائے اللہ کھیل ہے، لہو و لعب ہے۔ کل ما شغلک عن ربّک فھو صنمک، اس سے حاصل؟ اس سے نفع؟

دیکھو! جدھر تمھارے التفات و توجہ کے کیمرے کا رخ ہو گا اسی طرف کی تصویر تمھارے آئینۂ خیال میں آجائے گی، خواہ فوقانی ہو یا تحتانی، خواہ لطیف ہو یا کثیف۔۔۔ ایک بھنگی نے حیدر آباد میں آکر کیا دیکھا؟ وہی چند بیت الخلاء۔ کیا اس نے کنگ کوٹھی دیکھی یا فلک نما؟ خلوت کا دربار ہال دیکھا یا چو محلہ دیکھا؟ کچھ نہیں۔ یاد رکھو کہ علم کی عظمت معلوم کی عظمت سے ہے۔

اگر باہر کی کوئی چیز نظر نہیں آتی، اندرونی جذبات آئینہ ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ انّ خیراً فخیرٌ ، وانّ شراً فشرٌ۔ ایمانِ قلبی، جذباتِ روحانی، کیفیاتِ نفسی کی صورت میں آج نظر نہ آئیں تو کیا ڈر ہے۔ مرتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ قیامت میں باطن ظاہر ہو جائے گا۔ علم، شہود ہو جائے گا۔ بعض لوگ بذریعہ کشف عالم مثال میں دیکھنے کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ صحیح العقیدہ آدمی کو معمولی عالم مثال کے انکشافات والوں سے کم سمجھتے ہیں۔ اور اس آیت کا مصداق سمجھتے ہیں، وَمَن كَانَ فِي هَـٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ (الاسراء:۷۲)۔

ہمارے پاس علم، شہود ہوتا ہے۔ جو اس دنیا میں علم صحیح نہ رکھے گا وہ آخرت میں اندھا ہی رہے گا۔ صحیح عالم نہیں تو صحیح شہود بھی نہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ پر عالم مثال کھل گیا تھا؟۔۔۔ ہمارے پاس عالم مثال کی اہمیت نہیں ہے، علم صحیح کی اہمیت ہے۔

دیکھا تم نے کیا دیکھا — اس کی کتنی وقعت ہے
کھیل تماشا لاحاصل — مقصد اصل حقیقت ہے

حسرتؔ جو میرے علم میں ہے جلوہ فگن آج
کل آئے گا وہ بن کے تماشا مرے آگے

آج یہاں نہ دیکھا تو کل وہاں دیکھ لیں گے۔

کرتا ہے اگر پردہ، او پردہ نشیں کرلے
محشر میں تو دیکھیں گے تجھ کو ترے شیدائی

سچ پوچھو تو دنیا بھی ایک خواب وخیال ہے۔

العیش نوم و المنیة یقظة
والمرء بینهما خیال ساری

مگر یہ خیال ہمارا اپنا نہیں۔ بلکہ ایک بہت بڑی ہستی کا خیال ہے جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ہم کو اپنے خیال پر ایک حد تک قابو ہے مگر خود اپنے پر قابو نہیں۔ کیوں کہ خود ہم اپنا خیال نہیں، خدا کا علم ہیں۔

نہ ٹلائے سے ٹلے گی یہ بلائے آسمانی
مرا اعتبار حسرتؔ مرا اعتبار ہوتا

9.1 قضائے مبرم و معلق:

بعض دفعہ عالم مثال میں کسی واقعہ کے تمام اسباب نظر نہیں آتے۔ یعنی صرف علتِ ناقصہ کا علم ہوتا ہے۔ ایسے حال میں جو حکم لگایا جائے ضروری نہیں کہ درست ہو۔ اسباب کا غیر مکمل طور پر نظر آنا، قضائے معلق کہلاتا ہے۔

کبھی متمم نظر آجاتا ہے اور علت تامّہ ہو جاتی ہے، تو واقعہ ہو جاتا ہے کہ قضائے معلق مبرم ہو گئی۔ کبھی مانع نظر آجاتا ہے اور نتیجہ جو قریب الوقوع تھا، رُونما نہیں ہوتا تو اُس وقت قضاء معلق، مبرم ہو جاتی ہے اس لیے عالم مثال کو، بلکہ لوح محفوظ کو، لوح محو و اثبات بھی کہتے ہیں۔ مگر علم الٰہی میں عالم کا جو نظام عمل اور پروگرام ہے اس میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ امّ الکتاب

سے علم الٰہی ہی مراد ہے ۔ **يَمْحُوا اللّٰـهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ**(الرعد:۳۹)۔ بعض اولیاء، عالم مثال کو دیکھ کر ایک حکم لگا دیتے ہیں۔ اور دوسرے بڑے اولیاء، امّ الکتاب سے علم حاصل کرتے ہیں تو مؤخر الذکر کا حکم صحیح ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ علم الٰہی سے مستفیض ہوئے ہیں۔ جہاں باطل کو گنجائش نہیں وہاں ابرام ہی ابرام ہے۔